© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

تجارتی قرضوں پر سود

سوال: ماہ جون کے ترجمان القرآن میں جناب نے میرے سوال متعلقہ تجارتی سود اور اپنے جواب کو نقل فرمایا ہے جس سے مجھے جسارت ہوتی ہے کہ باوجود اس کے کہ میں نے جناب کو مزید تکلیف نہ دینے کا وعدہ کیا تھا، آپ سے تھوڑی سی اور وضاحت کی درخواست کروں۔

۱- آپ نے تحریر فرمایا ہے "اسی طرح عرب میں قرض کے معاملات کی بھی چند صورتیں رائج تھیں۔ ان سب میں یہ بات مشترک تھی کہ لین دین کی قرارداد میں اصل سے زائد ایک رقم ادا کرنا بطور شرط کے شامل ہوتا تھا اور اسی کا نام اہل عرب "ربوٰ" رکھتے تھے"۔ اس سے ظاہر ہے کہ جناب نے بھی رائج الوقت اقسام قرض سے ہی زیادتی کی نوعیت کا استنباط کیا ہے۔ اور یہی میری کوشش رہی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جاہلیت کے عرب میں قرض کی جو صورتیں رائج تھیں ان سب کو اکٹھا کیا جائے اور دیکھا جائے کہ ان سب میں کیا جزو مشترک تھا۔ جناب کے نزدیک جو بات مشترک تھی وہ یہ تھی کہ لین دین کی قرارداد میں اصل سے زائد ایک رقم ادا کرنا بطور شرط کے شامل ہوتا تھا۔ میری عرض ہے کہ ایک اور بات بھی مشترک تھی اور وہ یہ کہ مدیون کی حاجتمندی کی وجہ اس پر ناجائز شرائط عائد کی جا سکتی تھیں یا بالفاظ دیگر اس پر جبر و ظلم کا احتمال تھا۔ قرض کی جتنی مثالیں آپ نے اپنی کتاب "سود" میں لکھی ہیں ان سب میں یہ احتمال موجود ہے۔ اس لیے یہ جزو مشترک بھی "ربوٰ" کی تعریف میں شامل ہونا چاہیے اور اس کو شامل کیے بغیر "ربوٰ" کی تعریف نامکمل رہ جائیگی۔ احتمالِ جبر و ظلم سب حاجتمندانہ (CONSUMPTION) اور صرفی (NON-PRODUCTIVE) قرضوں کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاصہ ہے اور شاید یہی وجہ تحریم ربوٰ ہو۔ لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس زمانہ میں عرب منفعت بخش (PRODUCTIVE) کاموں کے لیے بھی سود پر روپیہ قرض لیتے تھے تو میرا نظریہ غلط ہو جائے گا۔ چونکہ میری اپنی کوشش جاہلیت کے عربوں میں اس قسم کے قرض کا کھوج لگانے میں ناکام رہی اس لیے میں نے جناب کو تکلیف دی ہے، اور امید رکھتا ہوں کہ آپ اپنی تحقیق کی بنا پر فرما سکیں گے کہ آیا منفعت بخش (PRODUCTIVE) قرض کا بھی ان دنوں عربوں میں رواج تھا کہ نہیں؟ جناب نے قرض کی جو مختلف صورتیں نقل فرمائی ہیں ان میں صرف ایک ہے جس کا تجارت سے کچھ تعلق معلوم ہوتا ہے یعنی وہ جو قتادہ نے بیان فرمائی ہے کہ "ایک شخص ایک شخص کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتا اور ادائے قیمت کے لیے ایک وقت مقررہ تک مہلت دیتا۔ اگر وہ مدت گزر جاتی اور قیمت ادا نہ ہوتی تو پھر وہ مزید مہلت دیتا اور قیمت میں اضافہ کر دیتا"۔ غور فرمائیے کہ یہ زیادتی کس وقت عائد کی جاتی تھی؟ جب کہ قرضدار وقت مقررہ پر قیمت ادا کرنے سے عاجز ہو چکا ہوتا تھا۔ اور قرض خواہ اپنی من مانی شرائط اس سے منوا سکتا تھا یعنی جبر و ظلم کا احتمال موجود تھا۔

(۳) جناب نے خمر کی مثال دی ہے اور فرمایا ہے کہ حکم تحریم کا کسی نے یہ مطلب نہیں لیا کہ یہ حکم صرف اس قسم کی شراب یا ان اقسام کی شرابوں کے لیے، جو عرب میں اس وقت رائج تھیں، مخصوص ہے۔ بلکہ یہ سمجھا گیا کہ ان سب میں جو ایک صفت مشترک، یعنی نشہ آور ہونے کی صفت پائی جاتی ہے، اصل حرمت اسی کی ہے۔ میری عرض ہے کہ اسی طرح ہمیں ربوٰ کی ضرر رساں صفتِ مشترک معلوم کرنی چاہیے۔ اصل حرمت اسی کی ہوگی، اور سود کی جو صورتیں اس ضرر سے مبرا ہوں ان کو "ربوٰ" کے تحت نہ لانا چاہیے۔

(۴) سورۂ بقرہ کی آیت "و ان تبتم فلکم رؤس اموالکم" سے جناب نے استدلال فرمایا ہے کہ راس المال سے زیادہ لینا ہی ربوٰ ہے۔ کیونکہ اگر قرض کی بعض خاص صورتوں ہی میں یہ زیادتی [illegible] ہوتی تو اشارے کنایہ سے ہی [illegible] میں یہ مقصد ظاہر کر دیا جاتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثلاً یہ کہ حاجتمند کو قرض دے کر زیادہ نہ وصول کرو۔ اس آیت کو اس کے ماسبق سے ملا کر پڑھیے تو پورا حکم یہ ہے "یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰا ان کنتم مومنین، فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ، فان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون"۔ یہ احکام اس ربوٰا یا سود خوری کو چھوڑنے کے لیے تھے جو اس وقت قرض خواہوں کو ملنے والی تھی۔ اس لیے لازماً اس کا تعلق ان اقسام قرض سے تھا جو اس وقت رائج تھیں، اور راس المال کا حکم بھی انہی اقسام قرض سے تعلق رکھتا ہے۔

(۵) جناب نے درست فرمایا کہ میرے پاس اس امر کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے کہ اس زمانے میں کوئی شخص قرض لے کر تجارت نہیں کرتا تھا نہ اس امر کا کوئی ثبوت ہے کہ وہ ان تجارتوں میں بھی کوئی تاجر کبھی دوسرے تاجر سے اس طرح کے قرض نہ لیتا تھا لیکن ان قرائن سے جن کا ذکر میں نے اپنے پہلے خطوط میں کیا ہے یہ اغلب تو معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں کے عربوں میں اس قسم کے قرض رائج نہ تھے۔ میرا نظریہ یہ ہے کہ ربوٰا لینے والے کے لیے جس قدر سخت سزا مقرر کی گئی ہے اس کے پیش نظر سود خوری کسی قسم کو ربوٰا میں شامل نہ کرنا چاہیے جب تک کہ یہ یقین نہ ہو جائے کہ دراصل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی وہ ربوٰا میں شامل تھی۔ اس کے برخلاف جناب کا نظریہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گمان کی بنا پر ہی اس کو ربوٰا میں شامل تصور کر لینا چاہیے اور جب تک پورا ثبوت اس بات کا نہ مل جائے کہ اس قسم کی سود خوری کا ان دنوں رواج نہ تھا، اس کو ربوٰا کی حدود سے خارج نہ سمجھنا چاہیے۔ جناب کا نظریہ احتیاط و زہد پر مبنی ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ احتیاط کہیں دنیوی نقصان کے علاوہ اخروی نقصان کا باعث بھی نہ ہو۔ آج کل کی دنیا میں بغیر تجارتی سود کے گذارہ نہیں۔ جو قوم اس سے پرہیز کرتی ہے وہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں ... لحاظ سے پست اور کمزور رہ جاتی ہے اور ایسی کمزوری کا جو اثر اس قوم کی آزادی پر پڑ سکتا ہے، وہ جناب سے مخفی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں اللہ تعالیٰ کو یقیناً مرغوب نہ ہوگا کہ مسلمان محکوم ہو کر رہیں۔ سورۂ مائدہ کی آیت "لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا" کی تشریح میں جناب نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے "اس آیت میں دو باتیں ارشاد ہوئی ہیں، ایک یہ کہ خود حلال حرام کے مختار نہ بن جاؤ، حلال وہی ہے جو اللہ نے حلال کیا، اور حرام وہی ہے جو اللہ نے حرام کیا"۔ مزید نوٹ نمبر ۱ میں جناب نے ارشاد فرمایا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کو اپنے اوپر سختی کرنے سے روکا ہے۔ اس لیے کیا یہ درست نہ ہوگا کہ جب تک اس کا ثبوت نہ مل جائے کہ تجارتی (PRODUCTIVE) سود بھی ربوٰ میں شامل تھا، اس کو گمان کی بنا پر حرام قرار نہ دیا جائے؟

(۶) جو سودی رقم مجھے پراویڈنٹ فنڈ سے ملی تھی اسے چند روز بعد ہی ایک دوست بطور قرض لے گئے اور آج تک ان سے واپس نہیں ملی لیکن اگر مل گئی تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی ہدایت کے مطابق میں اس کو اپنی ذات پر خرچ نہ کروں گا۔

(۷) ایک غیر متعلقہ امر کے متعلق بھی جناب سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ خمر و میسر کے متعلق فرماتے ہیں "اثمهما اكبر من نفعهما"۔ آپ نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ان کا نقصان ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔ لغت کی جو کتابیں میری نظر سے گذری ہیں ان میں مجھے "اثم" کا ترجمہ "نقصان" نہیں ملا۔ جناب سے استدعا ہے کہ اپنے ترجمہ کے حق میں کوئی مستند حوالہ عنایت فرما کر ممنون فرمادیں۔

جواب :۔ عنایت نامہ مورخہ ۱۴ جولائی مجھے بروقت مل گیا تھا، لیکن اس وقت سے اب تک مسلسل ایسی مصروفیت رہی کہ جواب لکھنے کی مہلت نہ مل سکی۔ اس تاخیر کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ آپ نے جن نکات کی طرف توجہ دلائی ہے ان کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ آپ ایک مرتبہ پھر اصل مسئلے کو نئے سرے سے سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ "الربوٰ" جس کو قرآن نے حرام کیا ہے اس کی حقیقت یا بالفاظ دیگر علت حرمت کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیا یہ کہ ایک شخص اپنے دیئے ہوئے مال رأس المال سے زیادہ وصول کرے، یا یہ کہ وہ دوسرے شخص کی حاجت مندی سے ناجائز فائدہ اٹھائے؟ میں پہلی چیز کو اس کی حقیقت اور علتِ حرمت کہتا ہوں، اور اس کے دلائل مختصراً یہ ہیں:-

۱- قرآن جس چیز کو حرام کر رہا ہے اس کے لیے وہ مطلق لفظ الربوٰ استعمال کرتا ہے جس کا مفہوم لغت عرب میں مجرّد زیادتی ہے۔ حاجت مند سے زیادہ لینا اس لفظ کے مفہوم میں شامل نہیں ہے۔ غیر حاجت مند کو قرض دیکر، یا بار آور اغراض کے لیے قرض دے کر زیادہ واپس لیا جائے تب بھی لغت کے اعتبار سے اس زیادتی پر الربوٰ ہی کا اطلاق ہوگا۔

۲- قرآن خود اس الربوٰ کو کسی ایسی قید سے مقید نہیں کرتا جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ وہ اُس ربوٰ کو حرام کرنا چاہتا ہے جو کسی حاجت مند کو قرض دے کر وصول کیا جائے، اور اُس ربا کو حکمِ حرمت سے خارج کرنا چاہتا ہے جو غیر حاجت مند لوگوں سے، یا بار آور اغراض کے لیے قرض دے کر کاروباری لوگوں سے وصول کیا جائے۔

۳- اہلِ عرب قرض پر منافع لینے اور بیع پر منافع لینے کو یکساں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کا قول تھا کہ اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا۔ قرآن نے ان دونوں قسم کے منافعوں میں فرق کرکے واضح کر دیا کہ بیع کا منافع حلال اور قرض کا منافع حرام ہے۔ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ اس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ نفع کی غرض سے بیع اور شرکت فی البیع کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے مگر قرض کی شکل میں روپیہ لگا کر فائدہ کمانے کا دروازہ بند ہے۔

۴- قرآن نے لکم رؤس اموالکم کہہ کر اس بات کی وضاحت بھی کر دی کہ قرض دینے والا صرف اُتنا ہی واپس لینے کا حق دار ہے جتنا اس نے دیا ہے۔ اس سے زائد لینے کا حقدار نہیں ہے۔ یہاں بھی کوئی اشارہ اس امر کی طرف نہیں ہے کہ جس شخص کو بار آور اغراض کے لیے راس المال دیا گیا ہو اس سے اصل پر کچھ زائد لینے کا حق دائن کو حاصل ہوتا ہے۔

۵- لغت اور قرآن کے بعد تیسرا اہم ترین ماخذ سنت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے احکام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا منشا معلوم کیا جا سکتا ہے۔ یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ علتِ حکم مجرّد زیادتی کو قرار دیا گیا ہے، نہ کہ اس زیادتی کو جو کسی حاجت مند سے وصول کی جائے۔ حدیث میں یہ صراحت ہے کہ کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ وَجْهٌ مِنْ وُجُوْهِ الرِّبٰوا (بیہقی)، اور کُلُّ قَرْضٍ جَرَّ بِهٖ نَفْعًا فَهُوَ رِبٰو (مسند حارث بن اسامہ) یعنی "ہر وہ قرض جس سے نفع اٹھایا جائے ربوٰ ہے"۔

۶۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس ربا کی حُرمت پر اکتفا نہیں فرمایا جو قرض کی صورت میں لیا جاتا ہے، بلکہ دست بدست لین دین کی صورت میں بھی ایک ہی جنس کی اشیاء کے درمیان تفاضل کا معاملہ کرنا حرام کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس میں حاجت مندی کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا جو منشا سمجھا تھا وہ لامحالہ یہی تھا کہ زیادہ ستانی کو اللہ حرام کرنا چاہتا ہے۔ اسی کے رجحانات کو ختم کرنے کے لیے حضورؐ نے قرض کے علاوہ دست بدست لین دین میں بھی زیادہ ستانی سے منع فرما دیا۔

۷۔ امت کے تمام فقہا نے بالاتفاق اس حکم کا منشا یہی سمجھا ہے کہ قرض کے معاملہ میں اصل سے زائد جو کچھ بھی لیا جائے وہ حرام ہے، قطع نظر اس سے کہ قرض لینے والا اپنی شخصی حاجات کے لیے قرض لے، یا کسی نفع آور کام میں لگانے کے لیے۔ هو فی الشرع الزیادة علی اصل المال من غیر عقد تبایع (نہایہ ابن اثیر) یعنی "شریعت کی اصطلاح میں ربا سے مراد اصل مال سے زیادہ لینا ہے بغیر اس کے کہ فریقین میں بیع کا معاملہ ہوا ہو"۔ اس تعریف کے مطابق تمام فقہا اس نفع کو حرام قرار دیتے ہیں جو قرض دے کر دائن مدیون سے حاصل کرے۔

ان وجوہ کو نظر انداز کر کے آپ جس بنا پر حرمتِ ربا کو صرف ان قرضوں تک محدود رکھنا چاہتے ہیں جو حاجت مند لوگ اپنی ذاتی ضروریات کے لیے لیں، اور نفع بخش کاموں پر لگانے کے لیے جو قرض دیا جائے اس کے سود کو اس حرمت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، وہ صرف یہ ہے کہ آپ کے نزدیک عرب میں نزولِ قرآن کے وقت صرف پہلی قسم کے معاملۂ قرض کا رواج تھا، اور دوسری قسم کے کاروباری قرض کا رواج دنیا میں بہت بعد میں شروع ہوا۔ لیکن آپ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ رائے اس وقت تک قبول نہیں کی جاسکتی جب تک آپ حسبِ ذیل سوالات کا واضح اور اطمینان بخش جواب نہ دیں۔

(۱) کیا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے قرضوں کے درمیان نفع آور اور غیر نفع آور کا فرق کرکے صراحۃً یا اشارۃً حرمتِ ربوٰ کو صرف دوسری قسم تک محدود، اور پہلی قسم کو حرمت کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو اس کا حوالہ ملنا چاہیے، کیونکہ حرمت کا حکم جس نے دیا ہے، مستثنیٰ کرنے کا اختیار بھی اسی کو حاصل ہے، اور اس کے کسی اشارے کے بغیر ہم اور آپ بطور خود حرام و حلال کا فیصلہ کر لینے کے مختار نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں غالباً آپ یہ استدلال کریں گے کہ "چونکہ اس زمانے میں صرف غیر نفع آور قرضوں ہی پر سُود لینے کا رواج تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کے حکم تحریم کو اسی سے متعلق مانا جائے گا۔" لیکن یہ استدلال اس وقت تک نہیں چل سکتا جب تک یہ بھی فرض نہ کر لیا جائے کہ انسانی معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کا علم بھی بس انہی معاملات تک محدود تھا جو نزولِ قرآن کے دور میں رائج تھے، اور انہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ آگے کیا کچھ آنے والا ہے۔ نیز یہ کہ اسلام صرف ایک وقت خاص تک کے معاملات میں رہنمائی دینے والا ہے، کوئی ازلی و ابدی رہنما نہیں ہے۔ اگر یہ مفروضہ آپ کے استدلال کی بنیاد میں کام نہیں کر رہا ہے تو پھر آپ کو ماننا پڑے گا کہ معاملات کی وہ صورتیں بھی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں تھیں جو بعد میں پیش آنے والی تھیں، اور جب یہ آپ مان لیں گے تو آپ کو ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا منشا فی الواقع غیر نفع آور قرضوں تک ہی حکمِ تحریم کو محدود رکھنا ہوتا تو وہ ضرور کسی نہ کسی طریقہ سے اپنے اس منشا کو ظاہر فرماتا۔ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس منشا کو اس حد تک کھول دیتے کہ تحریمِ ربوٰ کا حکم تمام اقسامِ قرض پر حاوی نہ ہو سکتا۔

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ عرب میں صرف حاجت مند لوگ ہی اپنی ذاتی ضروریات کے لیے قرض لیا کرتے تھے اور کوئی شخص کاروبار میں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا کسی نفع بخش کام میں لگانے کے لیے قرض نہ لیتا تھا، صرف یہ بات کہ دنیا میں نفع آور کاموں کے لیے قرض پر سرمایہ جمع کرنے کا رواجِ عام بہت بعد میں شروع ہوا ہے، اس بات کا فیصلہ کر دینے کے لیے کافی دلیل نہیں ہے کہ پہلے کوئی شخص کاروبار کے آغاز میں یا کاروبار کے دوران میں کبھی کاروباری اغراض کے لیے قرض نہ لیا کرتا تھا۔ آپ ایک بہت اہم مسئلے کا فیصلہ کرنے بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ایک حکم سے کسی چیز کو مستثنیٰ کرنا کوئی ہلکی بات نہیں ہے۔ اس کے لیے آپ کو اس سے زیادہ وزنی دلیل لانی چاہیے جو آپ پیش کر رہے ہیں۔ یہ ثبوت لانا ہمارے ذمہ نہیں ہے کہ عرب میں لوگ اس وقت کاروباری اغراض کے لیے بھی قرض لیا کرتے تھے، بلکہ یہ ثبوت آپ کے ذمہ ہے کہ ان اغراض کے لیے کوئی شخص قرض نہ لیتا تھا۔ اس لیے کہ استثنا کا دعویٰ آپ کر رہے ہیں، اور اس کی بنا آپ نے خدا اور رسول کے کسی اشارے یا تصریح پر نہیں رکھی ہے بلکہ اس دلیل پر رکھی ہے کہ عرب میں اس وقت الربٰو کا اطلاق صرف ان قرضوں پر ہوتا تھا جو غیر نفع بخش اغراض کے لیے لیے جاتے تھے۔

اب میں مختصراً آپ کے پیش کردہ نکات کا جواب عرض کرتا ہوں۔

الربٰو کا مفہوم متعین کرنے اور اس کی علتِ حرمت معلوم کرنے میں ہمارا انحصار صرف ان معاملات کی نوعیت پر ہی نہیں ہے جو اس وقت عرب میں رائج تھے، بلکہ لغت، بیانِ قرآن، حدیث، اور فقہائے امت کی توضیحات اس کے اصل مآخذ ہیں، اور ان کے ساتھ ایک مددگار چیز یہ بھی ہے کہ اس وقت جن معاملات پر ربٰو کا اطلاق ہوتا تھا ان میں قدرِ مشترک معلوم کی جائے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ان میں قدرِ مشترک صرف اصل سے زائد ایک رقم لینا ہی نہ تھا بلکہ یہ بھی تھا کہ یہ زائد رقم حاجتمندوں کو ذاتی ضروریات کے لیے قرض دے کر وصول کی جاتی تھی۔ لیکن اوّل تو اس کا اعتبار علتِ حکم مشخص کرنے میں اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ نہ قرآن نے اس کی طرف کوئی اشارہ کیا ہے اور نہ سنت میں کوئی چیز ایسی ملتی ہے جس کی بنا پر یہ فرض کیا جائے کہ حاجتمندوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے زائد رقم وصول کرنا وجہ حرمت ہے۔ دوسرے ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اس وقت قرض کے معاملات صرف اسی نوعیت تک محدود تھے۔ جہاں تک عرب کے تجارتی معاملات کا تعلق ہے ان کے بارے میں نہ یہ تصریح ہمارے علم میں آئی ہے کہ وہ قرض کے سرمائے سے چلتے تھے، اور نہ یہی تصریح ہم تک پہنچی ہے کہ ان میں قرض کا عنصر بالکل ہی شامل نہ ہوتا تھا۔ اس لیے کسی ریکارڈ پر نہ ہم مدارِ بحث رکھ سکتے ہیں نہ آپ۔ لیکن یہ بات تو عقلِ عام سے تعلق رکھتی ہے اور دنیا کے عام تجارتی معاملات کی سمجھ بوجھ رکھنے والا کوئی شخص بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ تجارت میں قرض کے سرمائے کو بطورِ بنیاد استعمال کرنے کا رواج چاہے بعد ہی میں شروع ہوا ہو، لیکن تاجروں کو اپنے کاروبار کے دوران میں ایک دوسرے سے بھی اور ساہوکاروں سے بھی قرض لینے کی ضرورت پہلے بھی پیش آیا کرتی تھی، اور چھوٹے تاجر بڑے تاجروں سے قرض پر مال پہلے بھی حاصل کیا کرتے تھے۔ عرب کے متعلق ایسا ریکارڈ اگر موجود نہ ہو تب بھی دنیا کے دوسرے ملکوں کے متعلق تو ایسا ریکارڈ نزولِ قرآن سے سینکڑوں، بلکہ کئی ہزار برس پہلے کا بھی ملتا ہے، اور تاریخی طور پر یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ پہلے زمانے میں تجارتی کاروبار قرض کے عنصر سے بالکل خالی ہوا کرتا تھا۔

آپ کا خیال یہ ہے کہ سود کے معاملات میں ضرر رساں صفتِ مشترک صرف یہ ہو سکتی ہے کہ حاجت مندوں کی شخصی ضروریات کے لیے قرض دے کر ان سے ظالمانہ شرح سود طے کی جائے۔ لیکن ہمارے نزدیک صرف یہی ایک ضرر رساں صفت اس میں نہیں ہے۔ یہ صفت بھی ضرر رساں ہے کہ ایک شخص یا ادارہ صرف روپیہ دے کر اپنے لیے ایک متعین منافع کی ضمانت حاصل کرے اور وہ سب لوگ جو اس روپے کے ذریعہ سے اپنی محنت، قابلیت اور دماغ سوزی کر کے منافع حاصل کرنے کی کوشش کریں ان کے لیے متعین منافع تو درکنار، خود منافع تک کی کوئی ضمانت نہ ہو۔ قرآن مجید جو قاعدہ تجویز کرتا ہے وہ یہ ہے کہ قرض کی صورت میں کسی کو مال دو تو تم اصل سے زائد کچھ لینے کے حق دار نہیں ہو، اور بیع، یعنی تجارت کا منافع حاصل کرنا چاہو تو پھر سیدھی طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یا تو خود براہِ راست تجارت کرو، یا پھر تجارت میں شریک بن جاؤ۔ قرآن کے اسی منشا کو سمجھ کر اسلام میں مضاربت کو جائز اور سودی قرض لونا جائز قرار دیا گیا ہے۔

ذروا مابقی من الربوٰ سے آپ نے جو استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ یہ محض اسی زمانے کے لیے ایک وقتی حکم نہ تھا بلکہ قرآن کے دوسرے احکام کی طرح ایک ابدی حکم تھا۔ جب اور جہاں بھی کوئی آدمی ایمان لائے وہ اس حکم کا مخاطب ہے۔ اُسے اگر کسی سے اپنے دیئے ہوئے قرض پر سود لینا ہو تو اس کو سود کا مطالبہ چھوڑنا ہوگا اور صرف اپنے دیئے ہوئے راس المال کی واپسی پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ علاوہ بریں اس آیت سے آپ کا استدلال اس دعوے پر مبنی ہے کہ اس وقت کی اقسامِ قرض کاروباری نوعیت کے سود سے خالی تھیں۔ یہ دعویٰ خود محتاجِ ثبوت ہے، اسے دلیل کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ جن اقسامِ قرض کا آپ بار بار حوالہ دیتے ہیں کہ یہ صرف ذاتی نوعیت کے قرض ہی ہو سکتے تھے، خود ان میں یہ احتمال موجود ہے کہ ایک چھوٹا تاجر کسی بڑے تاجر سے قرض پر مال لے کر جاتا ہو اور بڑا تاجر اس پر اصل قیمت کے علاوہ سود بھی عائد کرتا ہو، پھر جب وہ مدتِ مقررہ کے اندر پوری قیمت ادا نہ کرتا ہو تو وہ مزید مہلت دے کر سود میں اور اضافہ کر دیتا ہو۔ اس طرح کے سود کے بقایا بھی تو حکم ذروا مابقی من الربوٰ کی زد میں آجاتے ہیں۔ آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ ان بقایا میں اس نوعیت کے بقایا شامل نہ ہوتے تھے۔

میرے نزدیک اگر تجارتی سود کو حکمِ ربوٰ کے تحت لانے یا نہ لانے کی بنا محض گمان ہی پر ہو، اگرچہ واقعہ یہ نہیں ہے، تب بھی گمان پر ایک امکانی حرام کو حلال کر دینا اس سے زیادہ خطرناک ہے کہ اسے حرام مان کر اس سے اجتناب کیا جائے۔ حدیث کا یہ حکم صاف ہے کہ دعوا الربوٰ و الریبۃ۔ سود کو بھی چھوڑو اور اس چیز کو بھی جس میں سود کا شک ہو۔ یہ بات میں برسبیلِ تنزل محض آپ کی اس بات کے جواب میں کہہ رہا ہوں کہ تجارتی سود کو حرام قرار دینے کی بنیاد محض گمان ہے۔ ورنہ مجھے اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ قطعاً حرمت کے تحت آتا ہے اور اس کے حرام ہونے کی بنا گمان نہیں ہے بلکہ قرآن اور سنت کے محکمات ہیں۔

© rasailojaraid.com